# حالیؔ کا نثری اسلوب: ایک تجزیاتی مطالعہ

# Prose Style of Hali: An Analytical Study

***Gul Ahmad*** (Ph.D. Scholar)
**E-mail**:gulahmad110@gmail.com

***Dr. Arshad Mahmood Nashad***
Associate Professor, Dept. Urdu, AIOU.
**E-mail**: arshad_nashad@yahoo.com

## Abstract

Altaf Hussain Hali is a renowned writer and poet of modern Urdu Litrature. He started poetry under guidance of a great poet i.e Ghalib. Later on he was closely associated with Shaifta. In 1871, Hali went to Lahore, where he found job in Government Punjab Book Depot. In this way he became acquainted with a wide range of English literature. Hali worked on various aspects of Urdu Litarture. He is an innovative poet, critic, biographer, commentator, and stylic writer. His prose style not only influenced his period but future prose also. His prose is simple, plain and avoid of emotion. In addition, seriousness, rationality and rhetorical color are also prominent in his style. He used English, Arabic and Hindi words in his style.

**Keywords:** Style, simplicity, Rationality, Seriousness.

**خلاصہ**

الطاف حسین حالیؔ جدید اردو ادبیات کے بانیوں میں شامل ہیں۔ آپ نے شاعری میں سب سے پہلے غالبؔ اور پھر شیفتہؔ کی شاگردی اختیار کی۔ شیفتہ کی وفات کے بعد آپ لاہور آ گئے اور یہاں پنجاب بک ڈپو میں بطور معاون مترجم مقرر ہو گئے۔ اس ملازمت سے حالیؔ بالواسطہ انگریزی ادب سے واقف ہوئے۔ اس ذہنی انقلاب نے حالیؔ کو یہ جذبہ عطا کیا کہ وہ اردو ادب میں مغربی خیالات کو رواج دیں۔ اس سلسلے میں حالیؔ نے جدید سوانح نگاری کی بنیاد رکھی، نئی جدید شاعری کی داغ بیل ڈالی، جدید تبصرہ نگاری کا آغاز کیا، اردو میں جدید تنقید کی بنیاد رکھی اور اردو نثر کو ایک ایسا اسلوب دیا جس میں کسی بھی قسم کے اظہار کی مکمل گنجائش موجود ہے۔ ان کے اسلوب کی خصوصیات میں سادگی، سنجیدگی، یکسانیت، عقلیت، تمثیل، توضیحات اور خطابیہ لہجہ نمایاں ہے۔

**کلیدی الفاظ:** اسلوب، سادگی، عقلیت،، سنجیدگی۔

## تمہید

اردو زبان کا یہ ایک منفرد اعجاز ہے کہ اس نے پہلے شاعری کو پروان چڑھایا اور اپنے نثری سفر کا آغاز قدرے تاخیر سے شروع کیا۔ نصیر الدین ہاشمی کے مطابق حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، سید محمد حسینی (متوفی: ۸۲۵ھ) وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے دکن میں اردو نثر کا آغاز کیا۔[1] معراج العاشقین، ہدایت نامہ، تلاوت الوجود، شکار نامہ، سہ بارہ نامی رسائل انہی بزرگ کے نام سے منسوب ہیں جن کا زمانہ تصنیف ۸۱۵ھ تا ۸۲۵ھ ہے۔ اس کے علاوہ دکنی دور کی دیگر اہم نثری تصانیف میں میراں جی حسن خدا نما (متوفی: ۱۰۸۷ھ) کے رسالے شرح تمہید، مولانا عبداللہ کی ایک کتاب احکام الصلوٰۃ (۱۰۳۲ھ) اور مفتاح الخیرات، ملا وجہی (متوفی: ۱۶۵۹ء) کی سب رس؛ میراں یعقوب کی شمائل الاتقیا (مرتبہ: ۱۰۸۷ھ)، عابد شاہ کی کنزالمومنین (مرتبہ: بعد از ۱۰۹۰ھ)، برہان الدین جانم (متوفی: ۹۹۰ھ) کی کتاب معرفت القلوب اور ہشت مسائل، گفتار شاہ امین اور گنج مخفی از امین الدین علی؛ شامل ہیں۔ ان تمام نثری تصانیف کا موضوع تصوف ہے۔ گویا اردو ادب کے پہلے نثر نگار اور ادیب صوفیہ تھے۔ اس لیے پرکاش مونس لکھتا ہے: "ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ دکنی ادب کا آغاز خالص تبلیغی ضرورتوں کے ماتحت ہوا۔ اردو کے پہلے ادیب اگر انہیں ادیب کہا جاسکتا ہے تو مسلمان صوفیہ اور درویش تھے۔"[2] جنوبی ہند کی ان نثری تصانیف کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تبلیغی عنصر نمایاں ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ان تصانیف کا مقصد ہی اسلام کی تبلیغ و اشاعت تھا۔ اس لیے ابتدائی اردو نثر کے جنوبی ہند کے سرمائے کا اسلوب خالصتاً مذہبی نوعیت کا ہے۔

شمالی ہند میں اردو نثر کے حوالے سے دیکھا جائے تو سب سے پہلی قابلِ ذکر تصنیف "کربل کتھا" یا "دہ مجلس" ہے جس کے مصنف فضلی ہیں؛ یہ ۱۹۲۳-۳۲ء کے درمیان تصنیف ہوئی۔ اس نثری کاوش کے بعد مرزا رفیع سوداؔ کے تین نثر پارے ملتے ہیں جن میں: دیباچہ سبیل ہدایت، مثنوی شعلہء عشق کا نثری ترجمہ اور ایک خط۔[3] سوداؔ کے ان نثری پاروں میں عربی و فارسی کا گہرا اثر موجود ہے اور عبارت آرائی کا بھی خاص التزام کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شاہ رفیع الدین کی دو کتابیں اور ایک ان کا لفظی ترجمہء قرآن (اشاعت: ۱۲۰۰ھ) ملتا ہے۔ انہی کے بھائی شاہ عبدالقادر نے ۱۷۹۱ء میں "موضح القرآن" کے نام سے ترجمہ کیا اور ساتھ حواشی بھی لکھے۔ ان تراجم قرآن کے بعد اردو تفاسیر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جن میں: تفسیرِ تنزیل (۱۱۴۷ھ) از سید بابا قادری، تفسیر پارہ عم (۱۱۸۴ھ) از شاہ مراد سنبھلی شامل ہیں۔ ان مذہبی تصانیف میں سلاست اور سادگی کا عنصر شامل ہے۔ علاوہ ازیں تشبیہ، محاورے اور تراکیب کا استعمال بھی ملتا ہے۔ ان مذہبی نثری تصانیف کے بعد اردو نثر میں تاریخ

نگاری کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سفر کی ابتدائی تصانیف میں تاریخ فیروز شاہی اور تاریخ ہندوستان قابل ذکر کتب ہیں۔ یہاں تک کہ نثری کارناموں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ "کربل کتھا" میں پنجابی، ہریانی، دکنی اور قدیم اردو کے لہجے بہ یک وقت ملتے ہیں اور اس کے علاوہ روزمرہ عوامی زبان اور عوامی محاورات پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔[4] جب کہ تراجم میں صاف، سادہ، سلیس اور عام فہم زبان اور محاورے کا استعمال ملتا ہے۔ جب کہ تاریخ نگاری سے متعلق کتب میں تاریخی رجحانات کی جھلک بھی نمایاں ہے۔

ہندوستان ہمیشہ بین الاقوامی حملہ آوروں کی جنت رہا ہے۔ ۳۲۶ قبل مسیح سے ہندوستان میں پہلا بیرونی حملہ آور سکندر اعظم داخل ہوتا ہے جس کے حملے اور فتح سے برصغیر کی تہذیب، ثقافت، تمدن اور ادب متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح عربوں کے بھی برصغیر کے ساتھ تجارتی روابط قبل از اسلام ہی قائم تھے۔ اسلام کی روشنی نے جب عرب کو جہالت سے نکال کر تہذیب آشنا کیا تو اب مسلمان تاجر بطور مبلغ بھی تجارتی سفر کرنے لگے۔ برصغیر میں اردو کی نمود انہی تبلیغی کاوشوں کی مرہونِ منت ہے۔ دوسری طرف مسلمان صوفیہ بھی میدان عمل میں تھے۔ اس سارے عمل نے آخرکار مسلمانوں کو سارے ہندوستان کا بلا شرکتِ غیرے مالک بنادیا۔ ہندوستان کے تجارتی روابط جہاں عرب سے تھے؛ وہاں یورپ کی مختلف اقوام سے بھی قائم تھے۔ بحیرہ قلزم کے راستے سے ہندوستان اور یورپ تجارتی روابط میں بندھے ہوئے تھے۔ پندرہویں صدی عیسوی کے آخر میں اس راستہ پر ترکوں نے قبضہ کرلیا تو یورپ کا ہند سے رابطہ منقطع ہوگیا۔ اب یورپی اقوام نے متبادل راستے کی تلاش شروع کی اور آخرکار ۱۴۹۸ء میں ایک پرتگالی شہری واسکوڈے گاما نے اپنا بحری جہاز کالی کٹ پر لنگر انداز کرکے ہند سے دوبارہ تجارتی تعلق بحال کرلیا۔ مقامی ہندو راجوں سے تعلقات قائم کرنے کے بعد پرتگالیوں نے ہند کے مغربی ساحلوں پر تجارتی کوٹھیاں قائم کرلیں۔ ۱۵۰۵ء میں پہلا پرتگالی وائسرائے ڈم المیڈ فرانسکہ یہاں تعینات ہوا۔

اس کے بعد البوقرق تعینات ہوا جس نے بے جاپور کے بادشاہ عادل شاہ سے جنگیں بھی کیں۔ پرتگالیوں کا مقصد بھی یہاں اپنی حکمرانی قائم کرنا تھا؛ اس لیے انہوں نے تعلیم کے نام پر کئی مدارس قائم کیے۔ اس عمل سے اردو میں پرتگالی الفاظ بھی سرایت کرگئے۔ پرتگالیوں کی دیکھا دیکھی ولندیزیوں کے منہ میں بھی پانی بھر آیا اور انہوں نے ۱۶۰۲ء میں ایک کمپنی بناکر ہندوستان سے تجارت کا آغاز کردیا۔ جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ۱۶۰۰ء میں ملکہء برطانیہ سے ہندوستان سے تجارت کا اجازت نامہ ملا۔ ۱۶۳۱ء میں اس کمپنی نے سورت کے مقام پر اپنی پہلی تجارتی کوٹھی قائم کی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ کمپنی تجارت سے زیادہ اپنی عمل داری کو وسعت دیتی گئی اور آخرکار ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان پر قابض ہوگئی۔ ان یورپی اقوام کی ہندوستان آمد سے مقامی رہن سہن، تہذیب و

ثقافت پر بھی گہرا اثر پڑا؛ علاوہ ازیں ان اقوام کی مجبوری بھی بن گئی کہ وہ مقامی زبانوں میں دل چسپی لیں۔ اس لیے مستشرقین کا ایک پورا گروہ امڈ آیا جن کے کئی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد سیاست بھی تھا۔ ان میں عیسائی مبلغین بھی شامل تھے۔ انہوں نے بھی اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے اپنی مذہبی کتب کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنا شروع کیا۔ چناں چہ سترھویں صدی عیسوی میں Antonio de Saldhanaانتونیو دی سلدانا(متوفی: ۱۶۳۶ء) نے ہندوستانی زبان میں دعاؤں کا ایک مجموعہ "روزاز Rosas" کے نام لکھا؛ John de Pedorzaجان ڈی پیڈورزا(۱۶۴۰ء-۱۶۷۰) نے ایک ہدایت نامہ برائے اعترافات تالیف کیا۔ جب کہ اٹھارویں صدی کے آغاز میں Gespa Maria de Bernini Dagagananoگیسپاپے ماریہ دی برنینی داگاگنانو نے ایک دعاؤں کی کتاب لکھی اور ساتھ ہی ایک عیسائی اور غیر عیسائی کے درمیان ایک مکالمہ بھی تحریر کیا۔[5] ان غیر اسلامی مذہبی تصانیف میں بھی عام بول چال کا انداز نمایاں ہے۔

مستشرقین کے گروہ میں سب سے زیادہ شہریت جان گل کرسٹ کو ملی جس نے مقامی زبانوں پر خصوصی توجہ دی اور خاص طور پر اردو زبان میں کم و بیش بارہ کتب تصنیف کیں۔ اس نے اپنے شاگرد ہنری مارٹن اور مرزا فطرتؔ کی معاونت سے بائیبل کا ترجمہ بھی کروایا۔ فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے ان کے کارناموں کی فہرست طویل ہے۔ اسی دور میں اردو لغت اور قواعد کی طرف بھرپور توجہ دی گئی۔ جان گل کرسٹ کی قواعد کی کتاب کا پہلا خاکہ ۱۷۹۰ء میں منصہء شہود پر نمودار ہوا۔ اردو قواعد اور لغت نویسی سے جہاں اردو زبان کو فروغ ملا؛ وہاں اردو نثر میں ان یورپی اقوام کی آمد سے مقامی زبانوں میں یورپی زبانوں کے الفاظ کی ملاوٹ بھی شروع ہوئی۔ جس سے اردو زبان میں بھی انگریزی الفاظ کا چلن عام ہوا۔ اس عمل سے اردو نثر میں نئے اسالیب کا آغاز ہوا۔ اس اسلوب میں عربی اور فارسی کے اثرات کم ہونے لگے اور انگریزی کے اثرات بڑھنے لگے۔ نثر میں سادگی اور سلاست اور حقیقت نگاری کو فروغ ملا۔

اٹھارویں صدی میں اردو تذکرہ نگاری کا بھی آغاز ہوا۔ اگرچہ اس سے پہلے جو اردو شعرا کے تذکرے لکھے گئے مگر وہ فارسی زبان میں تھے۔ میرزا لطفؔ اور حیدر بخش حیدری نے "گلشنِ ہند" کے نام سے دو الگ الگ اردو تذکرے لکھے۔ یہ دونوں تذکرہ نگار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم تھے اور انہوں نے یہ تالیفی کام گل کرسٹ کی فرمائش پر کیا۔ اردو نثر اور اس کے اسلوب کے ارتقا میں ان تذکروں کی بھی خاص اہمیت ہے۔

ہندوستان میں اپنے سیاسی غلبے کو ذہنی غلامی میں بدلنے کے لئے انگریزوں نے کئی ایک ادارے قائم کیے۔ اگرچہ ان کے قیام کے مقاصد بیان کچھ اور کیے گئے مگر عملاً یہ ذہنی غلامی کے فروغ کے مشن پر کاربند نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم ادارہ فورٹ ولیم کالج ہے جو کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں لارڈ ویلزلی نے قائم کیا۔ اس کالج نے ہندوستان کے داستانی ادب کو سادگی سے مزین کرنے کے لیے اپنی کوششوں کا آغاز کیا۔ باغ و بہار، آرائشِ محفل، داستانِ امیر حمزہ، شکنتلا، نثرِ بے نظیر وغیرہ کا آسان زبان میں تراجم کرائے۔ جس سے داستانی ادب میں سادگی اور سلاست کا چلن شروع ہوا۔ اس طرح فورٹ ولیم کالج نے اردو زبان میں ایک نئے سادہ اسلوب کی بنا ڈالی۔ مغربی تہذیب نے مشرقی تہذیب کو اپنا اسیر کرنے کے لئے ہر ممکن اقدام اٹھائے۔ مگر ان حالات میں بھی کچھ ادیب اور شعرا ایسے تھے جو مشرقی علوم و فنون کا چراغ روشن کرنے کے لئے ہمہ وقت سرگرم تھے۔ ان میں غالبؔ کا نام سر فہرست تھا۔ غالب نے ادبی سطح پر مزاحمت کا رویہ اپنایا اور اپنا شعری اسلوب بیدلؔ سے لیا اور نثری اسلوب کو خود وضع کیا۔ اس سلسلے میں ان کے خطوط ان کے انفرادی اسلوب کے گواہ ہیں۔ غالب نے جہاں روایت کی پاس داری کا بھرپور خیال رکھا؛ وہاں عہدِ حاضر کی ضروریات کو بھی مد نظر رکھا۔ جس سے ان کے ہاں اسالیب کی بوقلمونی نظر آتی ہے۔ اردو نثر کے اسالیب میں نئے اضافے کرنے میں غالب کا بھی کلیدی کردار ہے۔ اس لیے حالیؔ کو کہنا پڑا: "سرسید سے قبل اگر کوئی نثر وقعت اور لائقِ پیروی ہے تو مرزا (غالبؔ) کی نثر ہے۔"[6]

سرسید تحریک نے اس اسلوب کو مزید مہمیز عطا کی۔ سرسید کا مقصد چوں کہ مسلمان قوم اور انگریزوں کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کرنا تھا اور مسلمان قوم کی ترقی و بہتری کے لئے مراعات کا حصول تھا؛ اس لیے اس خاص مقصد کے لئے قوم کی تربیت انتہائی ضروری تھی۔ اس تربیت کے لئے سرسید نے ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو "تہذیب الاخلاق" کا اجرا کیا۔ اس رسالے نے جہاں اردو ادب کو مضمون نگاری کی ایک نئی صنف عطا کی؛ وہاں اسلوب میں بھی ایک نئے در کو وا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ سرسید نے اپنے مضامین میں صنائع بدائع اور تکلفات سے یک سر اجتناب کیا اور مشکل سے مشکل موضوعات کو انتہائی مہارت سے سادگی اور صفائی سے بیان کر دیا۔ روایت سے الگ ہو کر سرسید نے زبان و بیان اور قواعد کی پابندی بھی گوارا نہ کی۔ اس سے ادبی حلقوں میں اضطراب پیدا ہوا اور سرسید کے خلاف جوابی مضامین بھی لکھے جانے لگے۔ ان جوابی مضامین کا طرزِ نگارش بھی وہی تھا جو سرسید کا تھا۔ اس عمل سے سرسید تحریک کے باہر بھی سادگی اور عام فہم اردو نثر کو فروغ حاصل ہوا۔ تہذیب الاخلاق میں سرسید کے علاوہ مولوی چراغ علی، نواب محسن الملک اور مولانا الطاف حسین حالیؔ بھی مضامین لکھتے تھے۔ اس لیے سرسید کی سادگی اور مقصدیت کا اثر ان کے اسلوب پر بھی پڑا۔

ان شخصیات میں سے حالیؔ وہ واحد ادیب تھے جو کثیر الجہت ادبی ذوق کے حامل تھے۔ حالیؔ نے ابتدا میں غالبؔ کی شاگردی اختیار کی؛ جس سے انہیں چنداں فائدہ نہ ہوا؛ پھر نواب غلام مصطفےٰ شیفتہؔ کے تلامذہ میں شامل ہو گئے؛ مبالغے سے نفرت انہی ہی کی صحبت کا اثر ہے۔ بعد ازاں لاہور میں پنجاب بک ڈپو میں معاون مترجم کی اسامی پر متمکن ہوئے تو مغربی ادب سے بالواسطہ آشنائی ہوئی۔اس ملازمت نے حالیؔ کی ذہن سازی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ حالیؔ کے تمام ادبی نظریات اسی فکری نشست میں پروان چڑھے۔ شاعری اور نثر میں اس فکری توانائی کو بہ آسانی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ غزل کی اصلاح، نظم کی ترویج، جدید تنقید کی شروعات، اور نئے اسلوبِ نثر کی بنیاد میں غالبؔ اور شیفتہؔ کی شاگردی، سرسید کی عقیدت اور پنجاب بک ڈپو کی ملازمت کے فکری اثرات نمایاں ہیں لیکن ان میں غالب اثر لاہور کی ملازمت کا ہے۔

حالیؔ کی نثر کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ایک افسانوی نثر اور دوسری غیر افسانوی نثر۔ افسانوی نثر میں "مجالسِ النساء" شامل ہے؛ جب کہ غیر افسانوی نثر میں: مولود شریف، تریاق مسموم، شواہدالالہام، تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے، حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید، مقدمہء شعر وشاعری اور مضامین، تقاریظ، تبصرے اور خطوط شامل ہیں۔ "مجالس النساء" افسانوی نثر کی مثال ہے جس میں ناول کے انداز میں بعض مروج مذہبی توہمات سے اجتناب کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو اس میں سلاست، سادگی، بے تکلفی اور عام بول چال کا انداز ملتا ہے۔ غیر افسانوی نثر میں ابتدائی کتب کا تعلق مذہبی نوعیت سے ہے۔ ان مذہبی کتب میں: "مولود شریف،"تریاق مسموم"، "شواہدالالہام" اور"تاریخِ محمدیؐ پر منصفانہ رائے" شامل ہیں۔"مولود شریف" میلادالنبی ﷺ کے موضوع پر ہے۔" تریاق مسموم" ایک مرتد پادری عمادالدین کی کتاب" تحقیق الایمان" کا مدلل جواب ہے۔

" شواہد الالہام" نامی رسالہ مولانا حالیؔ نے ۱۸۷۲ء میں لکھا جو کل بائیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رسالے میں الہام اور وحی کی ضرورت واہمیت کو عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ ۱۸۷۱ء میں پادری عماد الدین نے ایک اور کتاب بہ عنوان "تاریخِ محمدیؐ" لکھی جو ۳۱۲ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس کا جواب مولانا حالیؔ نے "تاریخِ محمدیؐ پر منصفانہ رائے" کے نام سے دیا۔ پچیس صفحات پر مشتمل یہ جواب ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ ان چاروں کتب کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتب سادگی اور سلاست کا پرتو لیے ہوئے ہیں۔ حالیؔ کی ابتدائی تصانیف چوں کہ مذہبی پس منظر رکھتی ہیں اس لیے ان میں جذباتیت اور مناظرانہ رنگ بھی موجود ہے۔ شیفتہؔ اور سرسید کی صحبت اور پنجاب بک ڈپو کی ملازمت نے ان کے اندازِ فکر کو بدل کر ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔ اس

نئی راہ پر چلنے کے لئے خاص اسلوب درکار تھا جو "حیاتِ سعدی" سے ہوتا ہوا "حیاتِ جاوید" تک پہنچ جاتا ہے۔ اسلوب کے اس ارتقائی سفر میں "حیاتِ جاوید" ان کی منزل قرار پاتی ہے۔ " حیاتِ جاوید" میں حالی وہ کامل اسلوب وضع کر لیتے ہیں جو اردو نثر کا بنیادی اور اہم اسلوب قرار دیا جاتا ہے۔ اس نئی راہ میں جذباتیت کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر تھا جب کہ عقلیت اور استدلال اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔

## حالی کا نظریۂ اسلوب

حالی کے اسلوب پر بات کرنے سے پہلے حالی کے اسلوب کے بارے میں مختلف اقوال کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ اسلوب کے متعلق حالی کے نظریات کا علم ہو سکے۔ "مقدمہ شعر و شاعری" میں لکھتے ہیں کہ سادگی کا معیار یہ ہے کہ الفاظ روزمرہ کے قریب ہوں[7] اور معروضات دل نشین بیان کے ساتھ ادا ہو سکیں۔[8]

اسلوب میں زبان کا درست استعمال لازمی عنصر ہے۔ متن کی نظر ثانی ضروری ہوتی ہے تاکہ زبان کی درستی بھی ممکن ہو اور اسلوب کا بھی جائزہ لے لیا جائے؛ اس لیے حالی نے اس امر پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے؛ لکھتے ہیں کہ مصنف کے ایک ایک لفظ میں خونِ جگر کی چاشنی ہو اور عبارت میں صفائی اور گھلاوٹ کا عنصر بھی شامل ہو۔[9]

حالی کا خیال ہے کہ سر سید میں سادہ نثر نگاری کی صلاحیت فطری تھی مگر اس وقت کے زمانے کی روایت کے باعث سادہ نثر نگاری کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا مگر جلد ہی افادی نقطہ نظر ان پر غالب آیا اور انہوں نے سادہ نثر نگاری کا آغاز کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گو کہ اس وقت طبعِ سلیم کے اقتضا سے خود سر سید کی تحریر سیدھی سادی تھی مگر سوسائٹی کے اثر سے یقیناً سادی عبارت لکھنے کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے مگر وہ بہت جلد متنبہ ہوئے؛ چناں چہ دوسری مرتبہ اپنے سیدھے سادے نیچرل اسٹائل میں لکھ کر شائع کیا۔[10]

مندرجہ بالا حقائق سے مترشح ہے کہ حالی مختلف ادبا کے اسالیب پر غور و فکر کرنے میں دل جمعی سے کام لے رہے تھے اور ان اسالیب کی خوبیوں اور خامیوں کو برابر نوٹ بھی کر رہے تھے۔ اس غور و فکر کا مقصد یہ تھا کہ وہ یعنی حالی اپنے لیے ایک ایسا اسلوب وضع کریں جو دور رس اثرات کا حامل ہو اور افادی نقطہ سے بھی فائدہ مند ہو۔

اپنے اس اسلوب کی تلاش میں حالی نے مضمون نگاری سے لے کر تبصرہ نگاری تک کا سفر طے کیا۔ سوانح نگاری سے لے کر شاعری تک کی خاک چھانی اور آخر کار "حیات جاوید" میں وہ پختہ اسلوب پا لیا جو نہ صرف ان کی پہچان بنا بلکہ آنے والے دور کے لئے مشعلِ راہ بھی ثابت ہوا۔ بعد ازاں ہر اردو ادیب نے اسلوبِ حالی سے استفادہ کیا اور حالی کے بنائے ہوئے نثری سانچے میں اپنی تخلیقات پیش کیں۔

## اسلوب حالی کی خصوصیات

حالی کا تعلق پانی پت سے تھا۔ پانی پت میں دلی، لکھنؤ، رام پور اور حیدر آباد کی طرح کوئی خاص دبستان موجود نہ تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی کی پیروی کی جاتی تھی اس لیے حالی کے ہاں ہمیں ایسی نثر ملتی ہے جو فطری اور بے ساختہ سادگی سے مزین ہے۔ علاوہ ازیں شیفتہ کی صحبت اور پنجاب بک ڈپو سے وابستگی نے ان کے اسلوب میں اس سادگی کو مزید نمایاں کیا۔ شیخ سعدیؒ سے بھی حالی متاثر تھے جن کا کلام اور نثر دونوں میں سادگی کا عنصر ملتا ہے۔ سرسید تحریک سے وابستگی نے بھی سادگی کو اور زیادہ نمایاں کیا۔

## سادگی

حالی سرسید تحریک سے متاثر تھے اور سرسید پہلے آدمی تھے جنہوں نے نئے خیالات کی آبیاری کی اور "عقلیت" کے زیرِ اثر اردو نثر میں سادگی کو رواج دیا۔ حالی سرسید کی سادگی سے متاثر تھے اور نظم و نثر میں اسے "فرض" شمار کرتے تھے۔[11] پروفیسر حمید احمد خان حالی کی سادگی کے پس منظر کو ایک نئے زاویے سے دیکھتے ہیں جس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "حالی کی نثر کا سلسلہ نسب بالعموم اس سادگی و سلاست سے ملایا جاتا ہے جو انیس ویں صدی میں انگریزی اثبات کے ماتحت پیدا ہوئی۔ یہ صحیح ہے مگر اس بدلتے ہوئے اسلوب کے بعید اجداد میں چودھویں صدی (بلکہ اس سے بیش تر) کے صوفیائے کرام کے وہ اقوال ہیں جن کا سانچا اس پُرانے زمانے کے عوامی اندازِ بیان نے تیار کیا تھا۔ حضراتِ صوفیہ کے ملفوظات فالتو لفظوں اور زبان کے جھوٹے زیوروں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ پانچ چھ سو برس کے بعد حالی کی صوفی منشی نے اسی جذبے کے ماتحت جس نے مبلغین نے اسلام کے منہ میں مقامی عوام کی بولی ڈال دی تھی؛ ہر قسم کے تکلّف اور تصنّع کو یکسر ترک کر دیا۔"[12]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حالی کے اسلوب کی پہلی اور نمایاں خصوصیت سادگی ہے۔

## یکسانیت

حالی کے اسلوب کی دوسری اہم خصوصیت "یکسانیت" ہے۔ یہ یکسانیت حالی کی سادگی سے جنم لیتی ہے۔ ان کے اسلوب میں رنگارنگی اور تنوّع کی کمی ہے اور کئی مقامات پر ان کی نثر اور شاعری دونوں سپاٹ اور بے کیف ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ "مسدسِ حالی" بھی اس اثر سے خالی نہیں ہے۔ نثر میں لمبی عبارات سے یکسانیت جنم لیتی ہے اور ساتھ ہی نثر میں پھیکا پن آ جاتا ہے۔ اس پھیکے پن کی وجوہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقیوم لکھتے ہیں کہ دراصل

حالی ضرورت سے زیادہ فطرت پسند بن گئے تھے اور اس قدر نیچرل ہو جانے سے ادب کو نقصان پہنچتا ہے۔ حالی کے یہاں پھیکا پن اسی افراط کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔[13] یکسانیت سے جہاں پھیکا پن دَر آتا ہے، وہاں اسلوب میں ناہمواری اور بے کیفی کا بھی پیدا ہو جانا قدرتی امر ہے۔ اس لیے اس ناہمواری اور بے کیفی سے حالی کی نثر بوریت کا شکار ہو جاتی ہے۔ حالی کو اس بے کیفی کا بہ خوبی احساس تھا۔ اس لیے حالی اس یکسانیت اور یکسانیت سے پیدا شدہ عناصر کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے ہلکا سا رنگ شامل کر دیتے ہیں جس سے عبارت میں کشش اور جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے اور یکسانیت کا اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔ "یادگارِ غالب" کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس میں حالی یکسانیت دور کرنے کے لئے ہلکا سا رنگ شامل کرتے ہیں:

"اگرچہ جس زمانہ میں پہلی بار راقم کا دلّی جانا ہوا۔ اس باغ میں پت جھڑ شروع ہو گئی ہے۔ کچھ لوگ دلّی سے باہر چلے گئے تھے اور کچھ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے مگر جو باقی تھے اور جن کے دیکھنے کا مجھ کو ہمیشہ فخر رہے گا، وہ بھی ایسے تھے کہ نہ صرف دلّی سے بلکہ ہندوستان کی خاک سے پھر کوئی ایسا اٹھتا نظر نہیں آتا؛ کیوں کہ جس سانچے میں وہ ڈھلے تھے، وہ سانچا ہی بدل گیا اور جس ہوا میں انہوں نے نشو و نما پائی تھی، وہ ہوا ہی پلٹ گئی تھی۔"[14]

## سنجیدگی

اسلوب دراصل شخصیت کا عکاس ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ادیب کی شخصی خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے حالی کی شخصی خصوصیات ان کے اسلوب میں نمایاں ہیں۔ حالی سنجیدہ اور متین آدمی تھے؛ اس لیے ان کی یہ خوبیاں ان کے اسلوب میں بھی واضح نظر آتی ہیں۔ ان کی نثر میں شگفتگی اور مزاح کی کمی انہی عناصر کے باعث ہے۔ "یادگارِ غالب" میں غالب کی شخصیت کا درست تجزیہ کرتے ہوئے انہیں "حیوانِ ظریف" تو قرار دیا ہے مگر نثری اسلوب میں "حیوان ظریف" کا اثبات نہیں ملتا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔[15]

جب کہ ڈاکٹر خورشید الاسلام نے حالی کی سنجیدگی اور متانت کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے اور اسے حالی کے شخصی رُجحانات میں شامل کیا ہے اور کہا ہے کہ حالی کو غم سے کوئی طبعی مناسبت تھی اس لیے انہوں نے اپنے غم کو سنجیدگی کے پردے میں چھپا لیا۔ حالی قہقہہ لگانا تو دور کی بات ہے، مسکراہٹ بھی اپنے ہونٹوں کے قریب نہیں لاتے، کہتے ہیں کہ مسکرانا حالی کی توہین ہے۔ ان کے نزدیک مسکرانا خدا اور انسان دونوں کی توہین ہے۔[16] حالی چوں کہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اس لیے ان حالات و واقعات کے نتیجے میں ان کا انفرادی اور اجتماعی غم ان کی شخصیت کا ایک حصہ بن گیا۔ مسلمانانِ برصغیر کے زوال نے ان کے قلب و ذہن کو

مغموم کر دیا تھا جس کا اظہار ان کی شاعری اور نثر دونوں میں ملتا ہے۔ پروفیسر حمید احمد خان حالی کی اس ذہنی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نوجوان حالی کو آغاز کار ہی میں جس ہیبت ناک تاریخی انقلابات کا سامنا ہوا، وہ اپنی ویراں گری و فنا سامانی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں اینٹ، پتھر کے مکان ہی منہدم نہ ہوئے۔ مسند نشینوں اور سریر آراؤں کا خوں ہی نہ بہا؛ تہذیبی قدریں بھی مسمار کی گئیں۔ چناں چہ عقائد و روایات کا استیصال ہوا اور دل کی پناہ گاہوں میں کہرام مچا۔ ایک ہزار برس کی تمدنی ترقی و استحکام اور پھر ایکا ایکی اُن کی عمرانی قوتوں کا اضمحلال و انتشار جو برّ عظیم میں قومی زندگی کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ اس قسم کے تہلکے سے اپنے جماعتی ضمیر اور انفرادی انا کو سلامت نکال لے جانا، جس طرح اور جس حدِ کمال تک حالی کو نصیب ہوا، وہ تاریخِ ادب کے بڑے معجزات میں سے ہے۔[17]"

ان حالات میں سنجیدگی کا پیدا ہونا لازمی امر تھا مگر اس سنجیدگی سے ان کے اسلوب میں سوز و گداز بھی پیدا ہوا جو ان کی شاعری اور نثر دونوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ سوز و گداز بھی دراصل حالی کے آنکھوں دیکھا حال کے سبب ہے۔ اس لیے رثائی ادب میں حالی کا یہ سوز و گداز مزید نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ ڈاکٹر صفدر امام قادری حالی کے اسلوب میں متانت اور سنجیدگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حالی کے ذہن کی متانت، سنجیدگی، قرار، ٹھہراؤ اور سب سے بڑھ کر توازن ایسے اوصاف ہیں جن سے اُنھوں نے ایک ایسا نثری اسلوب وضع کیا جو کسی بھی موضوع کو خود میں سمیٹ کر لے چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔[18] حالی کی اس سنجیدگی اور متانت کا اظہار ان کے نثری کارناموں میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ مثلاً:

"اگرچہ سرسید نے اس دربار کے سایہ میں پرورش پائی تھی جو ایک قدیم ڈسپاٹک گورنمنٹ کی یادگار تھا۔ جہاں آزادی کے پر جلتے تھے اور خوشامد کا بازار گرم تھا، نیز اس وقت شمالی ہندوستان میں انگریزی عمل داری کا ابتدائی زمانہ تھا اور اس لیے برٹش گورنمنٹ میں بھی اس وقت ایشیائی طرزِ حکومت کی تمام خاصیتیں موجود تھیں۔ اہل کار خوشامد کو اہل کاری کا زیور سمجھتے تھے اور اس وجہ سے یورپین حکام اور افسر ہندوستان میں آ کر خوشامد پسند بن جاتے تھے، باوجود اس کے سرسید کا برتاؤ اپنے افسروں کے ساتھ ابتدا سے اخیر تک نہایت آزادانہ رہا، وہ اپنے افسروں کا ادب اور تعظیم اور سرکار میں ان کی اطاعت جیسی کہ چاہیے، ہمیشہ کرتے تھے مگر ان کا بے جا دباؤ کبھی نہیں مانا اور بے موقع کبھی ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی۔"[19]

## توضیحی انداز

اسلوب نثرِ حالیؔ کی ایک اور خصوصیت توضیحی انداز ہے۔ حالیؔ نے خاص علمی و تنقیدی موضوعات اور اپنے مؤقف کو واضح کرنے کے لئے اور ابلاغ کے فروغ کے لئے اس انداز کو اپنایا ہے۔ نثر حالیؔ کی یہ خوبی وضاحت و صراحت اور تجزیاتی انداز لیے ہوئے ہے۔ اس طرز میں حالیؔ موضوع کی وضاحت کے لئے مثالوں سے کام لیتے ہیں تاکہ ابہام کی کیفیت پیدا نہ ہو۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ حالیؔ موضوع کی وضاحت کے لئے مثالوں پر مثالیں دیتے ہیں، ان کا یہ توضیحی طرزِ سادگی میں تنوّع کا اثر پیدا کر دیتا ہے۔ "مقدمہ" میں وہ پرانی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں تو سنجیدگی میں لطیف مزاح کا رنگ بھی شامل کر دیتے ہیں اور ان کے دل کی کیفیت بھی نثر سے ظاہر ہو جاتی ہے۔[20] اس توضیحی انداز کی ایک مثال درج ذیل ہے:

"نواب مصطفیٰ خاں مرحوم ہمیشہ مرزاؔ (غالب) کو ظہوریؔ و عرفیؔ کا ہم پایہ کہا کرتے تھے اور صائبؔ و کلیمؔ وغیرہ سے ان کو بہ مراتب برتر اور بالاتر سمجھتے تھے۔ نواب ضیاء الدین خاں کا مرزا (غالبؔ) کی نسبت یہ قول تھا کہ ہندوستان میں فارسی شعر کی ابتدا ایک ترک لاچین (یعنی امیر خسروؔ) سے ہوئی اور ایک ترک ایبک (یعنی مرزا غالبؔ) پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ سید غلام علی خاں وحشتؔ، مرزا کی نسبت کہتے تھے کہ اگر یہ شخص عربی کی طرف متوجہ ہو جاتا تو عربی شعر میں دوسرا متنبّی یا ابو تمام ہوتا اور اگر انگریزی زبان کی تکمیل کرتا تو انگلستان کے مشہور شاعروں کا مقابلہ کرتا۔"[21]

## خطابیہ لہجہ

حالیؔ کے اسلوب کا ایک اور وصف "طرزِ مدلّل اور خطابتی رنگ" ہے۔[22] حالیؔ کے اسلوب کا ارتقائی جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ شاعرانہ رنگ سے دوری اختیار کرتے جاتے ہیں اور خطابیہ رنگ ان میں سرایت کرتا جاتا ہے۔ اس خطابیہ رنگ میں حالیؔ کے جملے طویل ہونے لگتے ہیں۔ "حیاتِ جاوید" حالیؔ کی ایک ضخیم کتاب ہے جس میں مواد کا حجم بہت زیادہ ہے اور متن میں بھی زیادہ سے زیادہ معلومات کو سمونے کی شعوری کوشش کی گئی ہے جس سے جملے کی طوالت بڑھ گئی ہے۔ علاوہ ازیں عبارت کی تکرار بھی عود کر آ گئی ہے جس سے عبارت میں سادگی تو برقرار رہتی ہے مگر ضرورت سے زیادہ "نیچرل" ہونے کے سبب ان کی نثر پھیکی اور سپاٹ ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے ادبی حظ اٹھانے کا موقع نہیں ملتا۔ حامد حسن قادری اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"مولانا کی تحریروں میں موضوع، مضمون کی جدت، بیان کی صداقت، زبان کی صحت، اسلوب کی صفائی، دلائل کی قوت، تمثیلات کی برجستگی سب کچھ ہے اور اکثر بے عیب ہے بلکہ بعض جگہ نادر و جدید بھی ہے لیکن ان کی عبارت

پڑھنے سے ادبی مسرّت حاصل نہیں ہوتی۔ انشاپردازی کا نشاط واحتراز پیدا نہیں ہوتا تاہم ان کی سچی تلی تحریر کا اثر ہوتا ہے۔اس میں شک نہیں کہ بعد کو رواج پانے کے لئے حالی اور شبلی ہی کا ملا جلا طرز ہے۔" [23]

حالی جہاں شاعری میں نیچرل انداز کو اپنانے پر زور دیتے رہے وہاں نثر میں بھی اسی طرز کو رواج دیا۔ مقصدیت اور افادیت کے پیشِ نظر ان کی نثر میں رنگینی نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ حالی نے اس طرز کی نثر کو رواج دے کر علمی نثر کی بنیادیں ڈالیں جس سے بعد میں آنے والوں نے فائدہ اٹھایا اور حالی کی پیروی کی۔ حالی کے اسلوب کے خطابتی اور مدلّل طرز کی ایک مثال درج ذیل ہے:

"گلستاں میں اِن وجوہ میں سے کوئی وجہ نہ تھی۔ نہ اس میں رزم تھی، نہ عجیب و غریب افسانے تھے، نہ فوق العادت قصّے، نہ حقائق و معارف، نہ شریعت کے اسرار، نہ طریقت کے نکات، نہ غزلِ عاشقانہ، نہ قولِ عارفانہ بلکہ اس کی بنیاد محض اخلاق، پند و موعظت پر رکھی گئی تھی، جس سے زیادہ کوئی پھیکا اور بے نمک مضمون خاص کر فارسی لٹریچر میں نہیں پایا جاتا۔ پند و موعظت جب تک قصّے یا ناٹک کے پیرایے میں نہ ادا کی جائے، اکثر مخاطب کی وحشت اور تنفّر کا باعث ہوتی ہے کیوں کہ انسان کی طبیعت میں یہ بات و دیعت کی گئی ہے کہ وہ کھلی نصیحتوں سے متنفّر اور چھپی نصیحتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ پس گلستان کا اس قدر مقبول ہونا، سوا اس کے کہ اس کی فصاحت و بلاغت اور حسنِ بیان اور لطفِ ادا کو تمام فارسی لٹریچر میں بے مثل او رلاجواب تسلیم کیا جائے اور کسی وجہ پر محمول نہیں ہو سکتا۔" [24]

## عقلیت

حالی کی اسلوبِ نگارش کی ایک اور خصوصیت "عقلیت" ہے۔ یہ خصوصیت سرسید تحریک سے وابستہ ہر ادیب کی تھی۔ حالی کی نثر میں بھی یہ صفت ہر جگہ نمایاں ہے۔ تعقل پسندی میں حالی کا مرتبہ اپنے ہم عصروں سے زیادہ نمایاں ہے۔ سوانح نگاری، تبصرہ نگاری اور دیگر نثری تصانیف میں حالی نے عقلیت کو ہر صورت مقدم رکھا ہے۔ حتیٰ کہ حالی کی ابتدائی تصانیف میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے۔ اس "عقلیت" کے باعث ان کے اسلوب میں قطعیت پیدا ہوئی ہے۔ جس سے سائنسی طرزِ فکر کو فروغ حاصل ہوا۔

حالی کا تکیہ کلام "خیر تو" ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے اس تکیہ کلام سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حالی کے ہاں قوتِ فیصلہ کی کمی نظر آتی ہے[25] مگر "حیاتِ سعدی"، "یادگارِ غالب"، "مقدمہ شعر و شاعری" اور "حیاتِ جاوید" کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر وحید قریشی کی یہ بات درست نہیں ہے۔ اس کا ایک اور ثبوت دیگر

ناقدین کی یہ رائے بھی ہے کہ "حیاتِ جاوید" ایک مدلل مداحی ہے۔ حالیؔ اپنی رائے کا اظہار دلیل کے ساتھ قطعیت سے کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل عبارات اس دعویٰ کا ثبوت ہیں:

"چوں کہ مرزا (غالبؔ) کی طبیعت فطرۃً نہایت سلیم واقع ہوئی تھی اس لیے نکتہ چینیوں کی تعریفوں سے ان کو بہت تنبہ ہوتا تھا اور آہستہ آہستہ ان کی طبیعت راہ پر آتی جاتی تھی۔ اس کے سواجب مولوی فضل حقؒ (خیر آبادی) سے مرزا کی راہ و رسم بہت بڑھ گئی اور مرزا ان کو اپنا خالص و مخلص دوست اور خیر خواہ سمجھنے لگے تو انہوں نے اس قسم کے اشعار پر بہت روک ٹوک کرنی شروع کی، یہاں تک کہ انہیں کی تحریک سے انہوں نے اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا، دو ثلث کے قریب نکال ڈالا اور اس کے بعد اس روش پر چلنا بالکل چھوڑ دیا۔" [26]

## تمثیلی رنگ

حالیؔ اپنی نثر میں تمثیلی پیرایہ بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ ان کی نثر کا نمایاں وصف ہے۔ یہ پیرایہ اختیار کرنے کا مقصد اسلوب کی بہتری ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ قیاس تمثیلی، حالیؔ کا خاص حربہ ہے اور حالیؔ کو یہ بڑا عزیز ہے۔ [27] حالیؔ کو اپنی تحریر کی دوامیت کا بھرپور احساس تھا اس لیے اپنی تمثیل نگاری سے تحریر کو فصیح و بلیغ بنانا چاہتے ہیں تاکہ مدعا نگاری کا مطلب پورا کیا جاسکے۔ اس طریقے سے وہ اپنے اسلوب کو بہتر بنانے کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر امیر اللہ شاہین اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"حالیؔ اس تمثیل نگاری کی شعوری کوشش کرتے ہیں، اس کے باوجود نثر میں کوئی مصنوعی پن پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ مصنوعی پن طبیعت کے کھوٹ اور خبث نیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حالیؔ میں یہ کھوٹ سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ وہ تو اس خلوص کو عام کرنے کے لئے تول تول کر بولنے اور گھول گھول کر لکھنے کے عادی تھے۔ اس گھولنے میں گھلنا بھی شامل ہے۔" [28]

حالیؔ کی تمثیل نگاری کی ایک مثال درج ذیل ہے:

"ایسی بائیو گرافی چاندی سونے کے ملمع سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اس کے سوا وہ انہیں لوگوں کے حال سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے جنہوں نے اس موج خیز اور پُرآشوب دریا منجدھار میں اپنی ناؤ نہیں ڈالی اور کنارے کنارے ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ صحیح سلامت جا اُترے۔" [29]

## اسلوبِ حالیؔ کی نقائص

حالیؔ کے اسلوب میں جہاں بہت ساری خوبیاں موجود ہیں وہاں ان کے ہاں چند خامیاں بھی ہیں۔ مثلاً حالیؔ کے اسلوب کی ایک بڑی خامی بلاسبب اور بے دریغ انگریزی لفظیات کا استعمال ہے۔ یہ ایک مشترکہ عیب ہے جو

دبستانِ سر سید کا خاصہ ہے۔ حالی اس سے کیسے بچ سکتے تھے؟ ڈاکٹر سید عبداللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ حالی اپنے سب اوصاف کے باوجود دبستانِ سر سید کے ایک مشترکہ عیب سے محفوظ نہیں اور یہ عیب ہے انگریزی کے الفاظ کا جا بہ جا استعمال۔[30] انگریزی لفظیات کے استعمال کا جب تنقیدی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے متبادل اردو الفاظ موجود تھے اور بڑی حد تک ان انگریزی الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جا سکتا تھا مگر حالی نے ان کو شعوری طور پر استعمال کیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے حالی کی اس شعوری کوشش کو حالی کی ذہنی مرعوبیت سے تعبیر کیا ہے۔[31] مثلاً:

"اگرچہ اس لحاظ سے کہ ایشیائی شاعری کا مذاق یوروپین سولیزیشن میں روز بروز جذب ہوتا جاتا ہے اور فارسی لٹریچر ہندوستان سے ایسا رخصت ہوا ہے کہ بظاہر اس کے مراجعت کرنے کی توقع نہیں رہی۔"[32]

حالی کی نثر کا ایک اور عیب ایسے ثقیل عربی الفاظ کا استعمال ہے جن سے عبارت بوجھل محسوس ہوتی ہے۔ جملوں میں بھاری پن پیدا ہوتا ہے۔ جمالیاتی نقطہ نظر سے ان الفاظ کی بہ دولت نثر میں حسنِ نظر نہیں آتا۔ نثر کی روانی اور سلاست میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً معتاد، متبادر، تحاور، مطارحات، النادر کالمعدوم، من کل الوجوہ موصل الی المعکوب، تفحص الفاظ، تخطیہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں الفاظ جملے کی بنت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انہی سے اسلوب تشکیل پاتا ہے۔ نامانوس اور بھاری الفاظ جہاں جملے کے جمالیاتی حسن کو متاثر کرتے ہیں، وہاں اسلوب بھی شدید متاثر ہوتا ہے۔ان بھاری بھر کم الفاظ سے حالی کی نثر کا داخلی اور خارجی حسن اور اسلوب بھی متاثر ہوا ہے۔ ذرا سی کوشش سے ان الفاظ کا متبادل استعمال کیا جا سکتا تھا، مگر حالی ایسا نہ کر سکے۔

بہر حال نثرِ حالی کا یہ عیب ان کے اسلوب کا حصّہ ہے۔ لفظیاتِ حالی کے سلسلے میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ حالی نے عام ہندی الفاظ کو بھی کثرت سے استعمال کیا ہے۔ حالی خود بھاشا اور سنسکرت کے الفاظ کو اردو میں استعمال کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔[33] اس لیے حالی نے اپنی نثری تصنیفات میں عام ہندی الفاظ کو بلاتکلّف استعمال کیا۔ مثلاً: کھپت، چٹیک، تاؤ بھاؤ، اوگھٹ، ادھن، منوال، اندھا دھند، گھمنڈ وغیرہ۔ حالی کے اسلوب نثر میں بامحاورہ زبان کا بھی بے تکلّف استعمال ملتا ہے لیکن روز مرّہ اور محاورے کے استعمال میں حالی سے کچھ لغزشیں بھی ہوئیں۔ کہیں روز مرّے کو محاورہ بنا ڈالا اور کہیں محاورے کو روز مرّہ۔ ایسی مثالیں دینے سے پیش تر محاورے کے استعمال کے بارے میں حالی کے خیالات کا جائزہ لیا جائے تاکہ بات واضح ہو جائے۔ حالی لکھتے ہیں:

"الغرض نظم ہو یا نثر، دونوں میں روز مرّہ کی پابندی جہاں تک ممکن ہو، نہایت ضروری ہے مگر محاورہ کا حال ایسا نہیں ہے۔ محاورہ اگر عمدہ طور سے باندھا جائے تو بلاشبہ پست شعر کو بلند اور بلند کو بلند تر کر دیتا ہے لیکن ہر شعر میں محاورہ کا باندھنا ضروری نہیں۔" [34]

محاورے اور روز مرّہ کے استعمال کے بارے میں حالیؔ کے اس نظریے کی روشنی میں جب حالیؔ کی نثر کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ حالیؔ محاورے اور روز مرّہ کو گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ یہ محاورے کی اصطلاح کو دوہرے معانی کا حامل قرار دیتے ہیں۔ ایک حقیقی معانی اور دوسرا مجازی معانی۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں محاورہ کی اصطلاح میں روز مرّہ بھی شامل ہیں۔ کبھی محاورے کا اطلاق ان افعال پر بھی کیا جاتا ہے جو اسم کے ساتھ مل کر مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔[35] محاورے کی اس ابہام انگیز تعریف پر گرفت کرتے ہوئے ڈاکٹر ارشد محمود ناشادؔ لکھتے ہیں:

"کبھی، کے استعمال سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اکثر ایسا ہونا ثابت نہیں جب کہ حقیقت اس کے سراسر الٹ ہے، اسما و افعال کے وہ مرکبات جو مجازی معنوں میں مستعمل ہوں، ہمیشہ محاورہ کہلاتے ہیں۔ مولانا حالیؔ کے اقتباس سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں، ان میں سے آخری دو نتیجے معنوی طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اصل میں یہاں مولانا سے سہو ہوا ہے۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ دوسرے معنوں کے لحاظ سے جس کو محاورہ کہا جائے گا، وہ پہلے معنوں کے اعتبار سے بھی محاورہ کہلائے گا لیکن یہ ضروری نہیں کہ پہلے معنوں کے مطابق جو محاورہ ہے؛ وہ دوسرے معنوں کے مطابق بھی محاورہ ہو۔" [36]

ڈاکٹر صاحب محاورے کی مختلف تعریفوں کے بعد قول فیصل صادر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

"قصہء مختصر یہ کہ محاورہ اور روز مرّہ اگرچہ آپس میں گہرا تعلق رکھتے تھے اور محاورے کی تشکیل میں روز مرّہ سب سے اہم اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے تاہم اس گہرے تعلق کے باوجود دونوں کا دائرہ کار الگ الگ ہے اور ایک دوسرے سے مختلف۔ روز مرّہ کا تعلق الفاظ کے حقیقی اور وضعی معنوں سے ہے جب کہ اس کے برعکس محاورہ الفاظ کے غیر حقیقی یا مجازی معنوں سے متعلق ہے؛ اس لیے محاورے کے اصطلاحی مفہوم میں روز مرّہ کو شامل نہیں کیا جانا چاہیے کیوں کہ اس طرح محاورہ کی درست تعیین ممکن نہیں رہتی۔" [37]

حالیؔ کے اسلوبِ نثر میں محاورے کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

"جو لوگ عاشقانہ گوئی کے چٹخارے سے واقف نہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ خون جہاں منھ کو لگا پھر ذرا مشکل سے چھٹتا ہے۔" [38]

"اگر کوئی بازاری پیشوا ہے تو اپنی نالایقی یا بدنیتی کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔" [39]

حالیؔ کے اسلوب کی ایک خامی "ابہام" ہے۔ واقعات اور اوصاف کے تعلق میں حالیؔ کے بیانات میں دھندلاہٹ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ "مطالب کی تلخیص" ہے۔ حالیؔ کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے تلخیص کا سہارا لیتے ہیں۔ اس تلخیص نگاری سے ان کے اسلوب میں ابہام جنم لیتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ حالیؔ کے اشخاص مردہ اور ان کے بیان کردہ واقعات ادھورے اور بے روح اور ناقص نظر آتے ہیں۔ یہ سارا نقص اسی تلخیص کی کوشش کے طفیل ہے جس کا اصل سرچشمہ حالیؔ کی یخ بستہ مدّعا نگاری ہے۔[40] مثلاً:

"تین گھنٹے سخت کرب اور بے چینی رہی اور رات کے دس بجے حاجی اسماعیل خان کی کوٹھی میں جہاں مرنے سے دس بارہ روز پہلے حالت صحت میں وہ سید محمود کی کوٹھی سے اٹھ گئے تھے، وفات پائی۔ دوسرے دن ساڑھے پانچ بجے دن کے جنازہ اٹھایا گیا۔" [41] (یہاں حالیؔ نے تاریخِ وفات بیان نہیں کی)

حالیؔ کے اسلوب نے جہاں اپنے عہد کو متاثر کیا؛ وہاں اس نے مستقبل میں لکھی جانے والی افسانوی اور غیر افسانوی نثر کو بھی ایک ایسا راستہ فراہم کیا؛ جس پر چل کر اردو نثر نے ترقی کی نئی راہیں تلاش کیں۔ اس کے ساتھ اردو میں ہر قسم کے مضامین کے لئے ایسا اسلوب میسر آیا۔ جس میں کسی بھی موضوع کو آسانی کے ساتھ سمویا جاسکتا ہے۔ یہ حالیؔ کے اسلوب کی بنا پر ہی ممکن ہوا۔

*****

# *References*


1. Naseer ud Din, Hashmi, *Daccan Main Urdu, 4th Edtion* (Lahore: Maktaba e Moeen ul Adab, 1952), 22.

نصیر الدین، ہاشمی، دکن میں اردو، بارِ چہارم (لاہور، مکتبہ معین الادب، 1952ء)، 22۔

2 . Parkash, Moonus, *Urdu Adab Per Hindi Adab ka Asr* (A'ala Abad; National Art Printers, 1978), 63.

پرکاش، مونسؔ، اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر (الہ آباد، نیشنل آرٹ پرنٹرز، 1978ء)، 63۔

3. Shiekh Chand, *Soada* (Daccan: Anjuman e Taraqqi e Urdu Aurandabad, 1936), 90-92.

شیخ چاند، *سودا*، (دکن، انجمن ترقی اردو اورنگ آباد، 1936ء)، 90-92۔

4 . Dr.Shehnaz, Anjum, *Adabi Nasr Ka Irtiqa* (Lahore: Progressive Books, 1989), 81.

ڈاکٹر شہناز، انجم، *ادبی نثر کا ارتقا* (لاہور، پروگریسو بکس، 1989ء)، 81۔

5 . Dr.Anwar, Sadeed, *Urdu Adab Ki Mukhtasar Tareekh*, 5th Edition, (Lahore: Aziz Book Depot, 2006), 170.

ڈاکٹر انور، سدید، *اردو ادب کی مختصر تاریخ*، طبع پنجم (لاہور، عزیز بک ڈپو، 2006ء)، 170۔

6 . Moulana Altaf Hussain, Hali, *Yadgar e Ghalib* (Lahore: Mushtaq Book Corner, 2009), 195.

مولانا الطاف حسین، حالی، *یادگارِ غالب* (لاہور، مشتاق بک کارنر، 2009ء)، 195۔

7. Moulana Altaf Hussain, Hali, *Muqadama e Shehr o Sha'eri* (Lahore: Khazina e Ilm o Adab, 2001), 85.

مولانا الطاف حسین، حالی، *مقدمۂ شعر و شاعری* (لاہور، خزینۂ علم و ادب، 2001ء)، 85۔

8. Moulana Altaf Hussain, Hali, *Hayat e Sa'adi* (Lahore: Ilm o Irfan Publishers, March, 2013), 156.

مولانا الطاف حسین، حالی، *حیاتِ سعدی* (لاہور، علم و عرفان پبلشرز، مارچ 2013ء)، 156۔

9 . Ibid.

ایضاً۔

10 . Moulana Altaf Hussain, Hali, *Hayat e Javaid* (Lahore: Al-Faisal Tajraan e Kutab, 2015), 171.

مولانا الطاف حسین، حالی، *حیاتِ جاوید* (لاہور، الفیصل تاجرانِ کتب، 2015ء)، 171۔

11 . Dr.Jameel, Jalbi , *Tareekh e Adab e Urdu*, Vol-4, 2nd Edition (Lahore: Majlis e Taraqqi e Urdu, 2015), 976-977.

ڈاکٹر جمیل، جالبی، *تاریخ ادبِ اردو*، ج4، طبع دوم (لاہور، مجلس ترقی ادب، 2015ء)، 977-967۔

12 . Prof. Hameed Ahmad, Khan, *Armughan e Hali*, New Edition (Lahore: Idara e Saqafat e Islamia, 2010), 39.

پروفیسر حمید احمد، خان، *ارمغانِ حالی*، اشاعتِ نو، (لاہور، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، 2010ء)، 39۔

13 . Dr. Abdul Qayum, *Hali ki Urdu Nasrnigari* (Lahore: Majlis e Taraqqi e Urdu, 1964), 684.

ڈاکٹر عبدالقیوم، *حالی کی اردو نثری نگاری* (لاہور، مجلس ترقی ادب، 1964ء)، 684۔

14 . Hali, *Yadgar e Ghalib*, 127.

حالی، یادگارِ غالب، 127۔

15 . Jalbi, *Tareekh e Adab e Urdu*, 977.

جالبی، تاریخ ادبِ اردو، 977۔

16 . Prof. Khurshid ul Islam, *Tanqeedain*, 3rd Edition (Ali Garh: Educational Book House, 1977) ,87.

پروفیسر خورشید الاسلام، تنقیدیں، طبع سوم (علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، 1977ء)، 87۔

17 . Prof. Hameed Ahmad Khan, *Armughan e Hali*, 11.

پروفیسر حمید احمد خان، ارمغانِ حالی، 11۔

18. Dr.Safdar Imam, Qadri, *Moulana Altaf Hussain Hali Ki Yaad Mein*, (Aazamgarh: Darul Musanfeen, 2015), 77-78.

ڈاکٹر صفدر امام، قادری، مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں (اعظم گڑھ، دارالمصنّفین، 2015ء)، 87-77۔

19 . Hali, *Hayat e Javaid*, 620.

حالی، حیاتِ جاوید، 620 ۔

20 . Jalbi, *Tareekh e Adab e Urdu*,Vol:4 ,979.

جالبی، تاریخ ادبِ اردو، ج4، ۹۷۹۔

21 . Hali, *Yadgar e Ghalib*, 179.

حالی، یادگارِ غالب، 179 ۔

22 . Jalbi, *Tareekh e Adab e Urdu*, Vol:4, 980.

جالبی، تاریخ ادبِ اردو، ج4، 980 ۔

23 . Hamid Hassan, Qadri, Crrsent, Hali No, 299.

حامد حسن قادری، کریسنٹ، حالی نمبر، 299۔

24 . Hali, *Hayat e e Sa'adi*, 132.

حالی، حیاتِ سعدی، 132۔

25 . Dr. Waheed Qureshi, *Muta'ala e Hali* (Lahore: Naqoosh Press, 1966), 65.

ڈاکٹر وحید قریشی، مطالعۂ حالی، (لاہور، نقوش پریس، 1966ء)، 65۔

26 . Hali, *Yadgar e Ghalib*, 100-101.

حالی، یادگارِ غالب، 100-101۔

27 . Dr. Syed Abdullah, *Sir Syed Aur Un k Naamwar Rufaqa e Kar ki Nasr* (Lahore: Sang e Mile Publications, 1998), 119.

ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید اور ان کے نام ور رفقائے کار کی نثر (لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1998ء)، 119۔

28. Dr. Amirullah, Shaheen, *Urdu Asaleeb: Tareekh o Tajzia* ,2nd Edition (Deoband: Mehboob Press, 1985), 244.

ڈاکٹر امیر اللہ، شاہین، *اردو اسالیبِ نثر: تاریخ و تجزیہ*، اشاعتِ دوم (دیوبند، محبوب پریس، 1985ء)، 244۔

29 . Hali, *Hayat e Javaid*, 32.

حالی، *حیاتِ جاوید*، 32۔

30 . Dr. Syed Abdullah, Cresent, Hali No, 70.

ڈاکٹر سید عبداللہ، کریسنٹ، حالی نمبر، 70۔

31 . Ibid.

ایضاً۔

32 . Hali, *Yadgar e Ghalib*, 14.

حالی، *یادگارِ غالب*، 14 ۔

33 . Hali, *Muqadma e Shehr o Sha'eri*, 92. 93.

حالی، *مقدمۂ شعر و شاعری*، 92 ۔93۔

34 . Ibid.

ایضاً۔

35 . Ibid. 15.

ایضاً، 15۔

36. Dr. Arshad Mehmood, Nashad, *Mohawaray ka Lassani Muta'lia*, Khayaban (Peshawar, Jamia Peshawar), 78. 79.

ڈاکٹر ارشد محمود، ناشاؔ، *محاورے کا لسانی مطالعہ*، مشمولہ خیابان (پشاور، جامعۂ پشاور، 2007ء) ،78۔79۔

37 . Ibid.

ایضاً۔

38 . Hali, *Muqadma e Shehr o Sha'eri*, 105.

حالی، *مقدمۂ شعر و شاعری*، 105 ۔

39 . Hali, *Hayat e Sa'adi*, 13.

حالی، *حیاتِ سعدی*، 13۔

40. Dr. Syed Abdullah, *Sir Syed Aur Un k Naamwar Rufaqa e Kar ki Nasr*, 119.

ڈاکٹر سید عبداللہ، *سر سید اور ان کے نامور رفقائے کار کی نثر*، 119 ۔

41 . Hali, *Hayat e Javaid*, 234.

حالی، *حیاتِ جاوید*، 234 ۔